

ہم و تربیت اور سرپرستوں کی ذمہ داری

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَظُ شِدَادٍ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ (التحریم: ۶)

”اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو ایسی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جس پر تندہ خور سخت مزاج فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے وہ بجالاتے ہیں۔“

قرآن کریم کی یہ آیت جو اس سے پہلے بارہا آپ کے سامنے پڑھی گئی ہوگی اور قرآن کریم کی تلاوت میں آپ کی نظر سے گزری ہوگی، لیکن ضروری نہیں ہے کہ جو چیز بار بار نظر کے سامنے آئے، اس پر آدمی غور بھی کرے، آپ سڑکوں پر سے گزرتے ہیں، سائن بورڈ برسوں سے لگے ہوئے ہیں، آپ کی نظر بھی پڑتی ہے، لیکن آپ خود سوچتے کہ آپ نے کتنی بار غور سے پڑھا اور آپ کو یاد رہا، اگر آپ سے پوچھا جائے کہ آپ جس سڑک سے گزر کر آتے ہیں، اس میں اہم، اہم سائن بورڈ کس چیز کے ہیں تو کم لوگ بتا سکیں گے۔

یہ آیت بڑی چونکا دینے والی ہے اور ایسی ہے کہ اگر اس کا خطرہ نہ ہو کہ بار بار جو چیز سامنے ہوتی ہے، اس پر سے توجہ ہٹ جاتی ہے، وہ روزمرہ کی چیزوں میں سے سمجھی جانے لگتی ہے تو میں عرض کرتا اور اصرار کرتا کہ یہ آیت جلی حروف سے لکھوا کر دیواروں پر لگوا دی جائے، مسجدوں میں بھی آویزاں کر دی جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾..... اے وہ لوگو! جو ایمان لا چکے ہو، یہ ”آمنوا“ ماضی کا صیغہ ہے، ہر لفظ پر غور کیجئے، قرآن مجید کا کوئی لفظ اتفاقاً یا بھرتی کا نہیں ہوتا، یہ کوئی شاعری نہیں ”ایہا المؤمنون“ کہا جاسکتا ہے، ”ایہا المسلمون“ کہا جاسکتا تھا، اے مسلمان! اے جماعتِ مؤمنین! لیکن فرمایا: ”یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ اے وہ لوگو!

جو خود ایمان لاچکے ہو: ”فوا انفسکم واهلیکم ناراً“ وقودھا الناس والحجارة ”بچاؤ اپنی جانوں کو، اپنے گھر والوں کو، اپنے متعلقین کو، اپنے ماتحتوں کو آگ سے جس کا ایندھن ہے آدمی اور پتھر، اس آیت کے مخاطب مسلمان تھے، وہ صحابہ کرام تھے، جو قرآن مجید کے نزول کے وقت موجود تھے، وہ اولین مخاطب تھے، یوں قیامت تک کی تمام مسلمان نسلیں اور جو بھی پیدا ہوا اور اپنے کو مسلمان کہے، وہ سب مخاطب ہیں، لیکن پہلے مخاطب اس کے وہ لوگ تھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ایمان لاچکے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا تھا، جن کو شرف صحابیت حاصل تھا اور اس میں یقیناً وہ لوگ بھی تھے جو بیعت رضوان میں شریک رہے ہوں گے، جنہوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے جان دینے پر بیعت کی تھی اور جن کے متعلق ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يَبِيعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا﴾ (الفتح: ۱۸)

” (اے پیغمبر) جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو خدا ان سے خوش ہوا اور جو (صدق و خلوص) ان کے دلوں میں تھا، وہ اس نے معلوم کر لیا تو ان پر تسلی نازل فرمائی اور انہیں جلد فتح عنایت کی۔“

جن کو یہ انعام ملا تھا اور جن کو قیامت تک کے لیے سند دی گئی ہے کہ اللہ ان سے راضی ہوا، ایسے سند یافتہ اور بلند مرتبہ لوگ بھی اس آیت کے مخاطب ہیں، جو بیعت رضوان میں شریک ہوئے تھے اور عشرہ مبشرہ بھی اس میں یقیناً شامل ہیں اور کبار صحابہ بھی اس میں شامل ہیں اور بدر اور احد کے ”زندہ شہید“ بھی مخاطب ہیں۔

اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا کوئی آدمی جان بوجھ کر اپنے لڑکوں کو اپنے گھر والوں کو آگ میں جھونکتا ہے، آگ میں گھسنے دیتا ہے؟ اس کا کیا مطلب کہ اللہ کہتا ہے کہ اے وہ لوگو! جو خود ایمان لاچکے ہو، اب تمہارا کام یہ ہے کہ اپنی جانوں کو بچاؤ، اپنے گھر والوں کو بچاؤ دوزخ کی آگ سے، کیا کوئی واقعہ آپ نے سیرت میں ایسا نہیں پڑھا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے (معاذ اللہ) ارادہ کیا تھا کہ اپنے بچوں کو آگ کے حوالے کر دیں، یا بچے آگ میں کودنا چاہتے تھے اور صحابہ کرامؓ اور اس وقت کے مسلمان خاموش بیٹھے ہوئے تماشا دیکھ رہے تھے اور اس صورت حال پر راضی تھے، کیا ایسا کوئی واقعہ آپ کی نظر سے گزرا ہے؟ تو کیا بے ضرورت یہ بات کہی گئی ہے کہ اے وہ لوگو! جو خود ایمان لاچکے ہو، تمہارا کام یہ ہے کہ اپنی جانوں کو، اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ، یہ کون سی آگ تھی؟ اور کب یہ واقعہ پیش آیا تھا؟ یا پیش آنے والا تھا کہ مسلمانوں کے گھروں کے بچے آگ میں کودنا چاہتے تھے اور ماں باپ سو رہے تھے، فکر نہیں کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس وقت وحی نازل کی، سب چونک گئے اور سب اپنے بچوں کی فکر میں لگ گئے کہ آگ میں چھلانگ نہ لگائیں، پھر اس آیت کا مطلب کیا ہے؟؟

کیا اس آیت کا مطلب اس کے سوا اور کچھ ہو سکتا ہے کہ اپنے بچوں کو، اپنے گھر والوں کو ایسی چیزوں سے بچاؤ، جو آگ تک لے جانے والی ہیں، جن کا انجام یہ ہونے والا ہے کہ دوزخ میں جائیں، ورنہ وہ کون سے انسان ہیں جو اپنے بچوں کو آگ کی طرف جاتے ہوئے دیکھیں اور ان کو روک نہ لیں؟ خطرہ صرف اس بات کا ہے کہ آدمی یہ نہ جانتا ہو کہ اس کے نتیجے میں جلنا ہوتا ہے، تو مطلب یہ ہوا کہ ایسے اسباب سے بچاؤ جو دوزخ کی آگ تک پہنچانے والے ہیں، اس کو فتنہ کی زبان میں ”اسباب مودّیہ“ کہتے ہیں، یعنی وہ اسباب جو کسی نتیجے تک پہنچانے والے ہوں، فقہاء کے نزدیک وہ بھی نتائج کے حکم میں داخل ہیں، مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو ایسی دوا دے رہا ہے، جس کے نتیجے میں موت ہوتی ہے، چاہے وہ دیر سے ہو، یہ عمل قتل ہی کے مترادف ہے اس لئے کہ اس نے وہ سبب اختیار کیا جس کے نتیجے میں موت کا آنا یقینی ہے تو قانون بھی اس کو قاتل کہے گا، حکیم صاحبان، ڈاکٹر صاحبان بھی اس کو قاتل ہی سمجھیں گے، یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ ایسی چیزوں سے بچاؤ جو آگ تک پہنچانے والی ہیں۔

اب میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ صورت حال اس وقت یہی ہے، بچوں کی دینی تعلیم کا انتظام نہ کرنا، بچوں کو اس ماحول کے بالکل حوالے کر دینا اور ان کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا جو اس بات کا نہ مکلف ہے، نہ اس بات کا مدعی، نہ اس بات کا اہل کہ وہ بچوں کو وہ تعلیم دے گا، جس پر نجات موقوف ہے، پیغمبروں کی لائی ہوئی وہ تعلیم جس سے ناواقفیت کے نتیجے میں ایمان کا خطرہ ہے، آخرت کی ہلاکت ہے، تو اب یہ دیکھنا چاہئے کہ اس بات کو بچے کے لئے کیسے گوارا کیا جا رہا ہے؟ موجودہ تعلیمی نظام صرف لادینی نہیں، وہ ایک مثبت و معین نظام تعلیم ہے، ہندو دھرم والا اس میں شامل ہے، انگریزوں کے زمانے میں تعلیم سیکولر تھی، کتے کے قصے ہوتے تھے اور ہم میں سے بہت سے لوگوں نے انگریزوں کے عہد حکومت میں انگریزی پڑھی ہے، اس وقت زبان سکھانے والی ابتدائی کتابوں سے نہ کسی کے عقیدہ پر اثر نہ پڑتا تھا، نہ کسی مخلوق کا تقدس پیدا ہوتا تھا اور نہ اس کائنات میں کسی مخلوق کا تصرف و اختیار معلوم ہوتا تھا، اس وقت بھڑیئے، چیتے، بندر اور لومڑی اور بلی، کتے کے قصے بچے پڑھتے تھے، دیسے ہی گھر آتے تھے، جیسے جاتے تھے، لیکن اب صورت حال یہ نہیں ہے، سرکاری نصابی کتابوں میں عقیدہ پر اثر ڈالنے والے اسباق، قصے، کہانیاں اور مضامین ہوتے ہیں اور جو کسر کتابوں میں رہ جاتی ہے، وہ ماسٹر صاحبان پوری کرتے ہیں، بچوں کو کچھ اجتماعی کام ایسے کرنے پڑتے ہیں، جو اسلام کے عقیدہ تو حید کے منافی ہیں۔

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ ڈھلوان راستہ ہو، جس پر پاؤں بھی نہ جستے ہوں، اس پر کوئی بچہ سائیکل پر بیٹھا ہوا جا رہا ہو، آگے کھائی ہو، سائیکل کا بریک بھی ٹھیک کام نہ کرتا ہو، باپ دیکھ رہا ہے کہ بچہ سائیکل پر بیٹھا ہے اور اس سے بھی واقف ہے کہ بریک نہیں ہے، اس سے بھی واقف ہے کہ کوئی اور ترکیب نہیں کہ وہ سائیکل پر جاتے ہوئے کھائی سے بچ سکے گا تو کیا یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس باپ نے جاننے بوجھتے اپنے بچے کو کھائی میں گرنے دیا، کیا کوئی صاحب

اس سے انکار کر سکتے ہیں؟؟

اگر اس سے انکار نہیں کر سکتے تو اب میں آپ سے کہتا ہوں کہ موجودہ نظام تعلیم سے بچے کا ایمان کیسے سلامت رہے گا، اگر خارجی و اضافی دینی تعلیم کا انتظام نہیں ہے (جس کو سائنیکل میں بریک کا قائم مقام کہا جاسکتا ہے) جس میں تحفظ کا انتظام ہے کہ اسکول میں بچہ جو کچھ پڑھ کر آتا ہے، اس کی اصلاح کی جاتی ہے اور اگر اس کو کوئی ایمانی توحیدی (Dose) دیا جاتا ہے، صباحی یا شبینہ مکتب ہیں، تعلیمی حلقے ہیں، کوئی دینی کتاب سنی جاتی ہے، ماں باپ دین کی تلقین کرتے ہیں، اچھے اچھے شوق انگیز اور دین آموز قصے سناتے ہیں، گھر کا ماحول دینی ہے، تب تو یہ کسی درجہ میں بریک کے قائم مقام ہیں اور اگر ایسا نہیں تو آپ نے گویا اپنے بچوں کے کان میں کہہ دیا ہے کہ ”اسکول کی ہر بات مان لینا“ یہ کان میں کہنے ہی کے مترادف ہے کہ آپ نے بچے کا نام کسی اسکول میں لکھایا اور باہر سے کوئی انتظام نہیں کیا، گویا آپ نے اپنے بچوں کو ایک طرح کی ترغیب دی ہے کہ وہ ہر غیر اسلامی بات ماننا چلا جائے، اب اگر وہ مانتا ہے کہ دینی کتابیں پڑھ سکے، نہ محلہ میں کسی مکتب کا انتظام ہے تو آپ بتائیے کہ کیا آپ ”قوا انفسکم واهلیکم نارا“ کے مخاطب نہیں ہیں؟

لکھنؤ کے ایک زمانہ جلسے میں خواتین کی بڑی تعداد تھی، میں نے کہا: ایک ماں کا قصہ آپ کو سنانا ہوں، ایک تعلیم یافتہ خاتون ایک دعوت میں شریک تھیں، بیسیوں نے دیکھا کہ وہ کچھ بے چین اور متکبر سی ہیں، باتوں میں ان کا دل نہیں لگ رہا ہے، ان کی عزیز پیمیاں اور سہیلیاں سب بیٹھی دلچسپی کی باتیں کر رہی ہیں، بہت دن کے بعد وہ اٹھا ہوئی تھیں، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان خاتون کا دل و دماغ کہیں اور ہے، وہ کہیں اور دیکھ رہی ہیں، ان سے پوچھا گیا کہ بہن کیا بات ہے؟ طبیعت کچھ خراب ہے؟ کوئی اندرونی تکلیف ہے؟ بہت پوچھنے پر انہوں نے کہا کہ کچھ نہیں، میں گھر ماچس کی ڈبیا چھپانا بھول گئی، بچہ وہاں ہے، مجھے یہ کھانا لگا ہوا ہے کہ کہیں وہ اس میں سے تیلی نکال لے اور سالہ سے رگڑ کر اپنے کپڑوں میں آگ لگا لے، بیسیوں نے پوچھا، اللہ رکھے، بچے کی کیا عمر ہے؟ خاتون نے جواب دیا: بہن دو سال کی! خیال کیجئے، بچہ ماچس کے بکس کو کھولنا جانتا ہے اور کھولے گا تو الٹی تیلی رگڑے گا یا سیدھی رگڑے گا، جدھر سالہ ہے گھر:

” عشق است و ہزار بدگمانی “

محبت یہ سب چیزیں پیدا کر دیتی ہے، وہ چونکہ ماں ہیں، اللہ نے ماما دی ہے، محبت دی ہے بچہ کی، اس لئے وہ باتیں جو بہت بعید از قیاس ہیں اور کہیں برسوں میں ہوتی ہیں، سب ان کے سامنے نقشہ کی طرح ہیں، بچہ کھیلتے کھیلتے وہاں پہنچا، اچس کی ڈبیا اٹھائی، اس کو کھولا، اس نے کبھی دیکھا تھا، اپنی بڑی بہن کو یا بھائی کو کس طرح اس سے کام لیا جاتا ہے، اس نے اس کی نقل کی اور اپنے کپڑوں میں آگ لگالی، جب گھر گئے تو معلوم ہوا کہ (خدا نخواستہ) یہ واقعہ پیش آیا، اتنے دور کے احتمالات کی وجہ سے وہ بی بی وہاں اس طرح بے چین نظر آتی تھیں کہ جیسے کوئی آدمی دکتے ہوئے گرم پتھر پر کھڑا ہویا کوئی کانٹوں پر بیٹھا ہوا ہو۔

کیا دین کے منافی ماحول میں دین و ایمان سے محروم ہو جانے کے احتمالات، جانی خطرات کے احتمالات سے زیادہ قوی نہیں ہیں؟ جو اس چاہنے والی ماں کے دل میں پیدا ہوئے؟ ہمارے بچے جو پڑھ رہے ہیں، جن کو آپ نے ایک دن نہیں بتایا کہ توحید کیا ہے؟ آپ نے کوئی انتظام اپنے شہر یا محلہ میں دینی مکاتب کا نہیں کیا، جہاں بچے پڑھ کر پھر اسکولوں میں جاتے اور اپنا ایمان بچانے کے قابل ہو جاتے، نگہروں میں وہ ماحول، نہ محلہ اور بستی میں یہ فضا، اسکولوں کو میں کیا کہوں، میں عربی مدارس کا آدمی ہوں، وہاں یہ حالت ہے کہ اب جو بچے آرہے ہیں، وہ بھی ایسی بنیادی باتوں سے ناواقف ہیں، جن کا ہمارے بچپن میں خیال بھی نہ ہو سکتا تھا کہ کوئی مسلمان بچہ ان سے ناواقف ہوگا۔

ایسی صورت حال کا نتیجہ کیا ہوگا؟ نسل کی نسل دین سے بالکل نا آشنا ہوگی، اردو پڑھ نہیں سکے گی، آج یہ حالت ہو رہی ہے کہ ایک بڑے طبیبہ کالج کے جس کی ایک تاریخ ہے، ایک طالب علم سے کوئی مضمون لکھوانا تھا یا خط لکھوانا تھا، تو سوچا کہ یہ صاحب تو طب کی کتابیں پڑھتے ہیں، جو عام طور پر عربی، فارسی میں ہیں، بہت نیچے اترے تو اردو میں ہیں، ان سے کہا، آپ لکھئے، وہ لکھتے رہے، لوگ سمجھتے رہے کہ لکھ لیا، دیکھا تو وہ ہندی میں تھا، ان سے کہا گیا کہ آپ یونانی طب پڑھتے ہیں اور اردو نہیں لکھ سکتے؟ انہوں نے کہا، ہمیں تو یہی پڑھایا گیا ہے، تو ایک ایسی نسل کے تیار ہونے کا محض اندیشہ نہیں، مشاہدہ میں آرہا ہے، دین کی بنیادی چیزوں سے ناواقف، بنیادی عقائد سے ناواقف، اللہ و رسول کا ہمارے دل و دماغ میں جو عقیدہ بسا ہوا ہے، اس سے ناواقف، یہ نسل پیدا ہو گئی ہے اور جوانی کے قریب اب پہنچ رہی ہے۔ آنکھوں سے دیکھا گیا ہے کہ سیرت پر تقریر کرنی ہے، اسلامیہ اسکول، کالج ہے، جامعہ ہے اور ایک مسلمان نو جوان طالب علم کسی نے سیرت کا مضمون دیا، وہ ہندی میں لکھ کر لایا اور اردو میں پڑھا، الفاظ تو اردو اور رسم الخط ہندی اور یہ رسم الخط تو وہ چیز ہے کہ ”آرنڈ ٹوائن بی“ جو اس زمانہ کا بڑا فلسفی مورخ ہے، اس نے لکھا ہے کہ ”اب کسی کتب خانہ کو آگ لگانے کی ضرورت نہیں، رسم الخط بدل دینا کافی ہے، اس سے اس قوم کا رشتہ اپنے ماضی سے بالکل ٹوٹ جائے گا اور اس کی پوری تہذیب اس کے لئے بے معنی ہو کر رہ جائے گی اور پھر جس طرف چاہو، لے جاؤ۔“ جو چیز کسی ملت کو اس کے ماضی سے، اس کے مذہب سے، اس کی تہذیب سے، اس کے کلچر سے ملائی ہے، وہ رسم الخط ہے، رسم الخط بدلا، نسل بدل گئی، آج ہندوستان میں یہی ہو رہا ہے، فرقہ وارانہ فسادات محض ملک کو بدنام کرتے ہیں، قائد و مذاہب کا فرق، سب بے معنی باتیں ہو جائیں گی، کچھ آج سے ساٹھ برس پہلے اکبر مرحوم نے کہا تھا:

شیخ مرحوم کا قول اب مجھے یاد آتا ہے دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے ایک طویل المیعاد منصوبہ بندی ہے، ذرا دیر لگے گی، تیس برس، چالیس برس میں خود ایک ایسی نسل تیار ہو جائے گی، جس کے نزدیک کفر و ایمان کا فرق، توحید و شرک کا فرق، عقائد و مذاہب کا فرق، سب بے معنی باتیں ہو جائیں گی، کچھ کرنا نہیں پڑے گا۔

مسلمان ماں باپ اس ڈر سے کہ ہمارے بچے کا کیرئیر خراب ہو جائے گا، اس کی مادری زبان اردو نہیں لکھاتے، اس کی دینیات کی تعلیم کا انتظام نہیں کرتے، بھلا ایمان کے ساتھ یہ بات جمع ہو سکتی ہے؟ مسلمان کی شان تو یہ ہے کہ اگر کسی طریقہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے بچے کی تقدیر میں اسلام نہیں ہے یا یہ خدا نخواستہ مسلمان نہیں رہے گا تو دعا کرے کہ اللہ اس کو خیر و عافیت سے اٹھالے، یہ مسلمان کی شان ہے۔

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ اور اپنے زمانہ کی ایک بڑی شاعر خاتون ہیں، وہ بڑا درد مند دل رکھتی ہیں، انہوں نے ساری عمر اپنے دو بھائیوں کے مرچے کپے، جوان کو داغ مفارقت دے گئے تھے، کہا جاسکتا ہے کہ کسی زبان میں عورت کے کہے ہوئے مرثیوں کا اتنا بڑا ذخیرہ نہیں جو انہوں نے اپنے بھائیوں کی یاد میں یادگار چھوڑا ہے، ان کا پورا دیوان صرف بھائیوں کے مرچے سے بھرا ہوا ہے، ایسا درد مند دل رکھنے والی خاتون ایک معرکہ جہاد میں اپنے ایک بیٹے کو بلاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ بیٹا جاؤ تم کو میں نے اسی دن کے لئے پالا تھا، جاؤ اللہ کے راستے میں جان دے دو، پھر دوسرے بیٹے کو بلاتی ہیں، تیسرے بیٹے کو بلاتی ہیں اور جب سب کی شہادت کی خبر آتی ہے تو کہتی ہے: ”الحمد لله الذي اكرمني بشهادتهم“..... اس خدا کا شکر ہے جس نے ان کی شہادت ذریعہ میری عزت بڑھائی، یہ ایمان کی شان ہے کہ اسلام پر سب کچھ قربان۔



اللہ تعالیٰ سے صلہ کی تمنا

قاضی عبدالرحمن پانی پتی معروف بزرگ ہیں، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی بات ہے، معاشرہ جہالت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، تعلیم سے کوسوں دور اور شریعت کے احکامات سے لاعلم، بچوں اور عورتوں کو بے گناہ موت کے گھاٹ اتارا جاتا قتل و غارت گری کی گرم بازاری تھی، واقعہ ہے کہ عدم تحفظ کا شکار انگریز عورتیں اپنے بچوں کے ہمراہ قاری صاحب کے گھر میں پناہ گزین ہو گئیں، حالات کے پُر امن ہونے کے بعد یہ عورتیں واپس چلی گئیں، عرصہ مند قاری صاحب کو کمشنر کا خط موصول ہوا، اس میں لکھا تھا کہ آپ کے نام سالانہ ایک لاکھ روپے مالیت کی جائیداد کا فیصلہ ہوا ہے، تشریف لا کر کاغذات وصول کر لیجئے، قاری صاحب نے اس پیشکش پر توجہ نہ دی، کمشنر خود آیا، قاری صاحب کے دریافت کرنے پر کمشنر نے اس انعام کی وجہ بتاتے ہوئے کہا کہ آپ نے ہماری عورتوں اور بچوں کو تحفظ فراہم کیا تھا، یہ اسی احسان کا صلہ ہے، قاری صاحب نے کہا! میں نے تو اللہ کی شریعت پر عمل کے جذبے سے انہیں تحفظ فراہم کیا تھا، کسی بندے سے صلہ کی تمنا ہرگز نہ تھی۔ (صدائے وفاق: ۹۷)